52

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ایک عظیم الشّان پیشگوئی پُوری ہوئی

(فرمودہ ۲۳ / مارچ ۱۹۱۷ء)

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

قرآن کریم الحمدللہ سے شروع ہوتا ہے جس میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے ایک عظیم الشان بشارت اور خوشخبری رکھی ہے۔ اور وہ خوشخبری یہ ہے کہ خُدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا ہے کہ قرآن کریم میں تمہارے لئے ایسے سامان رکھ دیئے گئے ہیں جن کی وجہ سے تمہاری زبان پر الحمدللہ جاری رہے یہی وجہ ہے کہ رسُول کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کو ہر رکعت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے [1]۔

بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خود بخود برضاء ورغبت طوعاً اور خوشی سے خدا تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے اور خواہ ان پر خُدا تعالیٰ کے کتنے ہی بڑے بڑے انعام ہوتے چلے جائیں۔ شکر گذاری کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں ہوتی۔ مگر مسلمانوں پر خدا تعالیٰ نے ایسا احسان اور فضل کیا ہے کہ چونکہ ان پر خدا تعالیٰ کے بہت سے فضل واحسان ہونے تھے اور ان میں سے بعض کو ان احسانات کے بدلے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی طرف توجہ نہ ہونی تھی۔ اس لئے ہر رکعت میں اس سورۃ کو پڑھنا رکھ دیا گیا کہ جب کوئی نماز پڑھے گا تو اس طرح وہ خدا تعالیٰ کے انعامات کا شکریہ بھی ادا کر سکے گا۔ ہاں جو نماز نہیں پڑھتا وہ مسلمان بھی کہاں ہوسکتا ہے لیکن جو شخص نماز پڑھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے انعامات کا اپنی طاقت اور ہمت کے مطابق شکریہ ادا کرنے سے قاصر نہیں رہ سکتا۔ یُوں تو خُدا تعالیٰ کے انعامات کا پُورا پُورا شکریہ ادا کرنا کسی انسان کا کام نہیں۔ مگر جو انسان ہر روز نماز میں تیس چالیس بار الحمدللہ رب العالمین کہتا ہے۔ اُسے ناشکروں میں شامل نہیں کیا جاسکتا ناشکر گذار تو کافروں میں شامل ہوتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اس طرح مسلمانوں کو ناشکری کے گناہ سے بچا لیا ہے کہ وہ ہر رکعت میں اس سُورہ کو پڑھتے ہیں اور اس کے انعامات کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی جب خُدا تعالیٰ کا کوئی انعام دیکھتے ہیں تو بے اختیار اُن کے مُنہ سے الحمدللہ رب العالمین نکل جاتا ہے اور یہ ان کے مؤمن ہونے کی پہلی علامت ہے۔ پھر مسلمانوں کی اللہ تعالیٰ نے ایک اور علامت قرآن کریم میں بیان فرمائی ہے۔ اور وہ یہ ہے:-

[1]:- صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب وجوب قراءۃ الفاتحہ فِی کل رکعۃٍ۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰھُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔(یونس:۱۱)

کہ آخری پکار بھی ان کی یہی ہوتی ہے کہ الحمدللہ رب العالمین۔اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ اسلام کی ابتداء بھی الحمد للّٰہ سے ہوئی ہے اور انتہا بھی الحمدللہ پر ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور احسان سے ہی قرآن کریم کو نازل کیا۔ورنہ کس انسان کی طاقت تھی کہ ایسا بے نظیر کلام بنا سکتا یا اس کا کیا حق تھا کہ خدا تعالیٰ اس کے لئے قرآن نازل کرتا۔مگر دیکھو اس وقت جبکہ ہر قسم کے علوم میں ترقی اور ایزادی ہوئی ہے۔تمام دنیا قرآن کریم کے مٹانے کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔لیکن کیا اس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ اور بھی نکلا ہے کہ ایسا کرنے والے خود ذلیل اور شرمندہ ہو گئے ہیں۔پھر کیا یہ درست نہیں ہے کہ آج تک کسی انسان کو یہ توفیق نہیں ملی کہ قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی کتاب پیش کر سکے۔آج تک تمام مخالفین اسلام کا کام قرآن کریم پر اعتراض اور شکوک پیدا کرنا ہی رہا ہے۔اس سے بڑھ کر وہ کچھ نہیں کر سکے۔حالانکہ شکوک اور اعتراضات کا پیدا کرنا تو کوئی مشکل کام ہے اور نہ ہی کسی چیز کی صداقت کو چھپا سکتا ہے شبہات تو کئی انسانوں کو اپنے جسم کے متعلق بھی پیدا ہوتے ہیں۔چنانچہ سوفسطائی لوگ کہتے ہیں کہ انسان کا جسم بھی کوئی چیز نہیں۔یہ صرف وہم ہی وہم ہے۔تو وہم پیدا کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔مثلاً ایک شخص کسی دوست کی بڑی پُر تکلف دعوت کرے اور اس کی خاطر و مدارات کے لئے بہت بڑی تیاری کرے۔مگر اس کے دوست کو وہم ہو جائے کہ اس نے میرے لئے اچھے کھانے اس لئے پکوائے ہیں کہ ان میں زہر ملا کر مجھے ہلاک کر دے۔کیا اس وہم کے بعد وہ اس دعوت میں شریک ہوگا۔ہرگز نہیں۔بلکہ بھاگ جائے گا۔اسی طرح کتنا ہی پختہ مکان بنا ہو۔مگر ایک شخص خیال کر لے کہ اگر کوئی چھوٹا سا خیمہ ہوتا اور وہ میرے اوپر گر پڑتا تو شاید مَیں بچ جاتا۔لیکن اگر مَیں اس گھر کے اندر داخل ہؤا۔اور یہ میرے اُوپر گر پڑا تو پھر نہیں بچ سکوں گا۔یہ خیال کر کے وہ کبھی اس میں داخل نہیں ہوگا۔بلکہ بھاگ جائے گا۔

یہ محض خیالی باتیں ہی نہیں ہیں۔بلکہ اس قسم کے انسان دنیا میں ہوتے بھی ہیں چنانچہ خیر پور کے نواب صاحب جو موجودہ نواب صاحب سے پہلے تھے۔ان کو اسی قسم کی بیماری تھی کہ وہ مکان کے اندر داخل نہیں ہو سکتے تھے انہیں یہی خیال لگا رہتا کہ میں مکان کے اندر گیا اور وہ میرے اُوپر گرا۔

تو وہم اور خیال کا پیدا کر لینا کوئی مشکل اور بڑی بات نہیں ہر ایک بات اور ہر ایک سچائی کے متعلق نہایت آسانی سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔لیکن اگر مذہب کی بنیاد بھی وہم پر ہی ہو تو کبھی کسی بات کا فیصلہ نہ ہو سکے۔فیصلہ ہمیشہ خوبیوں اور صداقتوں کے مقابلہ سے ہی ہؤا کرتا ہے اور یہ دیکھا جاتا ہے کہ فلاں چیز میں خوبی ہے یا نہیں اور دوسروں سے خوبیوں کے لحاظ سے بڑھ کر ہے یا

ادنیٰ ورنہ شک اور شبہ سے انسان کبھی یقین اور اطمینان تک نہیں پہنچ سکتا۔ شبہ ہمیشہ شبہ ہی ہے۔ دُنیا اس وقت تک قرآن کریم کی خوبیوں کے مقابلہ میں کوئی خوبی نہیں پیش کر سکی۔ جو اُٹھا ہے اس نے اپنی طرف سے نقائص اور شکوک ہی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ شک کا نتیجہ شک ہی ہوتا ہے۔ اور یقین کا نتیجہ یقین۔ پس قرآن کریم کی مخالفت کرنیوالوں کو یقین پیش کرنا چاہیئے۔ نہ کہ شک وشبہات۔ مگر اس وقت تک کسی کی طرف سے یقین نہیں پیش کیا گیا۔ بلکہ جب بھی کسی نے حملہ کیا ہے۔ کوئی نہ کوئی اعتراض ہی جڑ دیا ہے۔ اور یہ ہمت کسی کو نہیں ہوئی کہ قرآن کریم کے مقابلہ میں کوئی اعلیٰ تعلیم پیش کرتا۔ حالانکہ فیصلہ کا طریق یہی ہے کہ جس چیز کو ناقص اور خراب قرار دیا جائے اس کے مقابلہ میں بہتر اور اعلیٰ پیش کی جائے۔ مثلاً کونین ہے بخار کے لئے کیا ہی اعلیٰ درجہ کی مفید ثابت ہوئی ہے۔ مگر کئی دیسی اطبّا اس تعصب کی وجہ سے جو انہیں انگریزی دواؤں کے ساتھ ہے۔ باوجود اس کے کئی فوائد کے اور قریبًا یقینی فوائد کے اس کے متعلق شبہ پھیلاتے رہتے ہیں کہ اس سے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ جگر بڑھ جاتا ہے۔ یہ نقص پیدا ہو جاتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ کیا ان کے اس طرح کہنے سے کونین کا استعمال بند ہو گیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ دن بدن بڑھ رہا ہے۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ محض شبہات اور شکوک کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ اور نہ ہی ان کا کوئی نتیجہ نکلتا ہے۔ ہاں اگر کوئی اور دوائی پیش کر کے ثابت کر دیں کہ وہ نقص جو کونین میں پائے جاتے ہیں اس میں نہیں ہیں تو پھر کونین کو کوئی استعمال نہ کرے گا۔ بلکہ اس دوائی کو ہی استعمال کیا جائے گا۔

تو یہ تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ نقائص اور شکوک نکالنے سے کوئی چیز مغلوب نہیں ہو سکتی۔ مغلوب اسی وقت ہوتی ہے جبکہ اس سے بہتر اور اعلیٰ دکھائی جائے۔ قرآن کریم پر جس قدر حملے کئے گئے ہیں۔ وہ صرف نقائص نکالنے اور شکوک پیدا کرنے تک ہی محدود ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی نے اس سے بڑھ کر اور بہتر تعلیم بھی پیش کی ہو۔ حالانکہ یہی وہ معیار ہے جس سے فیصلہ ہو سکتا ہے۔

تو خدا تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کو ایسی تعلیم ملی ہے کہ جس کا کوئی دوسری تعلیم مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بڑے بڑے مخالفوں نے مقابلہ کی کوشش کی۔ بڑے بڑے اعتراضات کئے گئے۔ اپنے خیال میں بڑے بڑے نقائص نکالے گئے (اس وقت یہ بحث نہیں کہ ان کے اعتراضات اور نقائص درست بھی تھے یا نہیں) مگر ان سے جو کچھ ہو سکا۔ وہ یہی کچھ تھا۔ نہ کہ اس کے علاوہ کچھ اور لیکن کیا وہ قرآن کریم کی تعلیم سے بہتر کوئی تعلیم پیش کر سکے۔ ہرگز نہیں۔ پس اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کی الہامی کتاب ہے۔ کیونکہ ساری دنیا بھی اس کا صحیح طور پر مقابلہ نہیں کر سکی تو ایسی تعلیم کے ملنے پر بے اختیار مسلمان کے مُنہ سے الحمد للہ نکل جاتا ہے۔ پس یہ ابتدا الحمد سے

ہے کہ اسلام کی بنیاد ایسی تعلیم سے شروع ہوئی جس کا کوئی تعلیم مقابلہ نہیں کرسکتی۔اس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے تھوڑا ہے۔ پھر اس کی انتہاء یہ ہے کہ اس پر چل کر اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل ہو جاتا ہے۔خدا تعالیٰ کے سایہ کے نیچے انسان آجاتا ہے۔خُلد میں اس کا مقام تیار کیا جاتا ہے۔پس مسلمان اس انتہا پر بھی جس قدر خُدا تعالیٰ کی حمد کریں تھوڑی ہے۔

خدا تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ مسلمانوں کو جو کتاب ملی۔وہ الحمد سے شروع ہوتی ہے۔ پھر وہ تعلیم ملی کہ جس پر چلنے والے کا انجام بھی الحمد پر ہی ہوتا ہے۔پس یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔دیکھو ایک شخص دوسرے کو کہے کہ تم فلاں راستہ پر چلے جاؤ۔اس کے تمہیں یہ یہ فوائد حاصل ہوں گے۔لیکن اگر اسے چلتے چلتے اخیر پر بڑی گہری غار دکھائی دے یا کوئی اور نقصان یا تکلیف پہنچے اور کوئی فائدہ حاصل نہ ہو تو گو وہ ابتداء میں اس راستہ بتانے والے کا شکریہ ادا کر دے۔اور جزاک اللہ کہے کہ اس نے مجھ پر بڑی مہربانی کی ہے کہ رستہ بتا دیا ہے۔مگر اس کی انتہا اس بات پر ہوگی کہ کہے گا وہ بڑا ہی خبیث اور شریر انسان تھا جس نے مجھے یہ راستہ بتایا۔اور مجھے تکلیف اور مصیبت میں ڈالا۔لیکن اگر واقعہ میں اسے اس راستہ پر چل کر بڑا آرام اور فائدہ ہوگا تو وہ انتہا پر بھی اس کا شکریہ ادا کرے گا۔اور اس کا شکر گذار ہوگا کہ اس نے مجھے کیا اچھا راستہ بتایا۔

اس سے پتہ لگتا ہے کہ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی ابتدا حمد سے ہوتی ہے۔مگر انتہاء حمد سے نہیں ہوتی۔اور بعض ایسی ہوتی ہیں۔جن کی ابتداء حمد سے نہیں ہوتی مگر انتہا حمد سے ہوتی ہے۔مثلاً بعض ایسی باتیں ہیں جو بذاتِ خود بُری ہوتی ہیں۔مگر ان سے انسان ٹھوکر کھا کر انجام کار ہلاکت اور تباہی سے بچ جاتا ہے لیکن اسلام ایک ایسا مذہب ہے کہ اس کی تعلیم میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے ایسے سامان رکھ دئے ہیں کہ اس کی ابتداء بھی حمد سے ہوتی ہے۔اور انتہاء بھی حمد سے۔پس ایک تو یہ معنی ہیں۔وآخر دعوٰھم ان الحمد للہ ربّ العالمین (یونس:۱۱) کے۔لیکن ایک اور معنے بھی ہیں۔اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں مسلمانوں کے لئے دو۲ زمانے مقرر فرمائے ہیں۔ایک ابتدائی زمانہ اور دوسرا آخری زمانہ [1]۔اور اٰخر دعواھم ان الحمد للہ ربّ العٰلمین میں خدا تعالیٰ نے یہ بھی بتایا ہے کہ جس طرح حشر کے دن مسلمانوں کا انجام یہ ہوگا کہ وہ حمد ہی حمد کرتے نکلیں گے۔اسی طرح اسلام کی ابتداء بھی حمد سے ہی شروع ہوئی ہے اور اس کی انتہا بھی حمد پر ہی ہوگی۔ چنانچہ سورۃ فاتحہ میں مسیح موعودؑ کی پیشگوئی ہے۔اور پہلے نبیوں نے

[1]:- ترمزی کتاب الادب باب مثل الصلوٰۃ الخمس۔

بھی کہا ہے کہ اس کو یہ سُورہ دی جائے گی۔ دراصل یہ سُورہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوئی اور آپ کو دی گئی۔ اب اس کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دینے کا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ایسے ایسے انعامات دیئے گئے تھے جن کا شکریہ ادا کرنے کے لئے الحمدللہ ربّ العالمین سکھایا گیا۔ اور اس کے نتیجہ میں اور زیادہ انعام دیئے گئے۔ اسی طرح اس کے نتائج حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی دیئے جائیں گے۔ اور اُسے اور اس کی جماعت کو ایسی عظیم الشان فتوحات دی جائیں گی جن کی وجہ سے اس کی اور اس کی جماعت کے لوگوں کی زبان پر الحمدللہ رب العالمین جاری ہوجائے گا۔ یہ ہے ابتدا بھی الحمد سے اور انتہا بھی الحمد پر۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ جو سامان ترقی ایمان کے لئے خدا تعالیٰ نے بتائے ہیں۔ ان کو دیکھ کر بے اختیار ہمارے مُنہ سے الحمدللہ رب العالمین نکل جاتا ہے۔ کہاں یہ تاریکی اور ظلمت کا زمانہ اور کہاں یہ دہریت اور لامذہبی کے دن جبکہ انسان کہہ اُٹھے تھے کہ خدا کی کوئی ضرورت باقی نہیں ہے۔ دنیا کا کارخانہ خود بخود چل رہا ہے۔ اور چلتا رہے گا۔ ہر ایک کو اپنے علم اور اپنی تحقیقات پر گھمنڈ تھا۔ مذہب کو ایک حقیر اور فضول چیز سمجھا جاتا تھا۔ ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ دین اسلام کو قائم کرکے اپنے جلال اور قدرت کے ظاہر کرنے کے سامان پیدا کردیئے۔ اور اس طرح ہم پر وہ احسان اور فضل کیا کہ جس کے لئے ہم جس قدر بھی اس کی حمد اور تعریف کریں۔ تھوڑی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے پہلے مسلمان مولوی کہاں ان لوگوں کی قلم کی کششوں کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ اسلام ایک ناتواں اور کمزور چیز کی طرح ہو رہا تھا۔ جو اُٹھتا اس پر حملے کرنے شروع کردیتا۔ خود مسلمان اسلام کو چھوڑ کر دوسرے مذاہب میں جارہے تھے مگر حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے ایسا احسان کیا کہ وہی دین جو پہلے قابل نفرت سمجھا جاتا تھا۔ اس کو جب آنکھیں کھول کر دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ اگر کوئی چیز قابل تسلی اور لائق اطمینان ہوسکتی ہے تو وہ مذہب اسلام ہی ہے۔

خدا تعالیٰ نے ہزارہا نشان اس کی تائید میں دکھائے اور اس قدر دکھائے کہ اگر کوئی گِننا چاہے تو ہرگز گِن نہیں سکتا۔ ایک دفعہ امریکہ سے ایک انگریز حضرت مسیح موعودؑ کو ملنے کے لئے آیا۔ اور آ کر کہا کہ آپ مجھے اپنی صداقت کا کوئی نشان دکھلایئے۔ آپ نے فرمایا تم بھی میری صداقت کا نشان ہو۔ اس نے کہا۔ کِس طرح؟ آپ نے فرمایا۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ کوئی مجھے جانتا تک نہ تھا۔ اور نہ ہی کوئی میرے پاس آتا تھا۔ اس وقت خُدا تعالیٰ نے مجھے الہام کیا کہ یاتون من کل فجٍ عمیق ویاتیکَ مِن کُل فجٍ عمیق[1]۔ تیرے پاس دُور دُور سے لوگ آئیں گے اور تیرے پاس دور دور سے چیزیں آئیں گی۔ اور اس قدر لوگ آئیں گے کہ ان کی آمدورفت سے راستوں

[1]:- تذکرہ ص ۲۹۷۔

میں گڑھے پڑ جائیں گے یہ الہام اس وقت چھاپ کر شائع کر دیئے گئے۔ اور اس وقت کتابوں میں موجود ہیں۔ اب تم امریکہ سے میرے ملنے کے لئے آئے ہو۔ کیا یہ میری صداقت کی دلیل نہیں ہے [1]۔ یہ سُن کر وہ خاموش رہ گیا۔

یوں تو دعویٰ کرنے والے کئی اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہاں بھی حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھ کر ایک شخص نے دعویٰ کیا تھا۔ لیکن اس کو کسی نے پوچھا تک نہیں۔ اور نہ ہی کوئی اس کے دعوے کو سن کر اس کے پاس آیا بلکہ جب ایک سب انسپکٹر نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا دعویٰ ہے تو اس نے ڈر کی وجہ سے صاف انکار کر دیا کہ میرا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ پس حضرت مسیح موعودؑ کو جو کامیابی اور ناموری حاصل ہوئی۔ وہ کسی فریب اور بناوٹ کی وجہ سے نہ تھی۔ اگرچہ جھوٹے دعویٰ کرنے والوں میں سے بھی بعض کا نام مشہور ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کے دعویٰ میں یہ کشش نہیں ہوتی کہ لوگوں کو کھینچ لائے۔ یہ کشش سچا دعویٰ کرنے والے میں ہی ہوتی ہے۔

تو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ ان کو کروڑوں کہو تو بھی تھوڑے ہیں۔ یہاں بننے والے ہر ایک مکان کی اینٹ اور بھرتی کا ایک ایک روڑا آپ کی صداقت کا نشان ہے۔ کیونکہ آپ کی کشش کے علاوہ اور کیا چیز تھی جس نے بہتوں کو اپنے گھر بار چھوڑ کر یہاں رہنے پر مجبور کر دیا۔ اور ان میں سے کئی ایک نے اپنے ہزاروں روپے کے مکانوں کو کوڑیوں کے مول بیچ کر یہاں مکان بنانے کو بہتر سمجھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ جب یہاں آئے تو پیچھے عظیم الشان مکان بنوا رہے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ یہیں رہیں۔ اس کے بعد انہوں نے وطن جانے کا کبھی خیال تک نہ کیا۔

تو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کے خدا تعالیٰ نے اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ جن کو اگر کوئی گِننا چاہے تو ہرگز نہیں گن سکتا۔ مگر پھر بھی وہ خزانہ ختم نہیں ہوا۔ بلکہ بار بار ظاہر ہو کر ہمیں بتاتا ہے کہ الحمد للہ رب العالمین کہو۔

ابھی خدا تعالیٰ نے ایک تازہ نشان دکھلایا ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ انبیاء کے کلام بھی کیسے عظیم الشان نشان ہوتے ہیں۔ اور ان کی باتیں خواہ وہ الہام بھی نہ ہوں تو بھی جو ان کی زبان اور قلم پر جاری ہو جائے وہ خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے ایک نظم لکھی تھی۔ اس میں نہایت دردناک طریق سے موجودہ جنگ کا نقشہ کھینچتے ہوئے یہ بھی لکھا تھا کہ ؎

مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن و انس
زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار

---

[1] :۔ ذکرِ حبیب مصنفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔

زارِ روس کا بادشاہ تھا۔اس کے متعلق آپ نے بتایا تھا کہ وہ ایک سخت مصیبت میں مبتلا ہوگا۔یہ پیشگوئی جس وقت کی گئی۔اسی وقت اس شعر پر کہ:۔

یک بیک اک زلزلہ سے سخت جنبش کھائیں گے
کیا بشر اور کیا شجر اور کیا حجر اور کیا بحار

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے کہہ دیا تھا کہ:۔

”خدا تعالیٰ کی وحی میں زلزلہ کا بار بار لفظ ہے۔اور فرمایا کہ ایسا زلزلہ ہوگا جو نمونہ قیامت کا ہوگا۔بلکہ قیامت کا زلزلہ اس کو کہنا چاہیئے۔جس کی طرف سورہ اذا زلزلت الارض زلزالھا اشارہ کرتی ہے۔لیکن مَیں ابھی تک اس زلزلہ کے لفظ کو قطعی یقین کے ساتھ ظاہر پر جما نہیں سکتا۔ممکن ہے کہ یہ معمولی زلزلہ نہ ہو۔بلکہ کوئی اور شدید آفت ہو۔جو قیامت کا نظارہ دکھلاوے۔جس کی نظیر کبھی اس زمانہ نے نہ دیکھی ہو اور جانوروں اور عمارتوں پر سخت تباہی آوے۔ہاں اگر ایسا فوق العادت نشان ظاہر نہ ہو اور لوگ کھلے طور پر اپنی اصلاح بھی نہ کریں تو اس صورت میں مَیں کاذب ٹھہروں گا۔“ [1]

اس عبارت میں صاف طور پر آپ نے بتلایا ہے کہ یہ وحی کے ماتحت پیشگوئی ہے۔اگرچہ آپ نے وہ وحی نہیں بتلائی لیکن اس کی تفصیل ان اشعار میں نہایت واضح طور پر کر دی تھی۔جو حرف بحرف پوری ہو رہی ہے۔ان شعروں میں ایک شعر یہ ہے:۔

رات جو رکھتے تھے پوشاکیں برنگ یاسمن
صبح کر دے گی انہیں مثلِ درختانِ چنار

یعنی رات کو چنبیلی کے پھُولوں کی طرح جن کی سفید پوشاک ہوگی صبح ان کا یہ حال ہوگا کہ جس طرح چنار کے پتے کا رنگ سُرخ ہوتا ہے اسی طرح خون سے ان کے کپڑوں کا رنگ سُرخ ہو جائے گا۔

اب اگر یہ ایک شاعرانہ تشبیہہ ہی ہوتی اور لڑائی میں ایسا ہو بھی جاتا تو بھی ان لوگوں کو جن کی نسبت یہ پیشگوئی تھی یہ بتانا مشکل ہوتا کہ چنار کے درخت کے پتّوں کی طرح تمہارے لباس خون سے سُرخ ہو گئے ہیں۔کیونکہ جن لوگوں نے چنار کے درخت کو دیکھا نہ ہوتا اور جو جانتے ہی نہ ہوتے کہ چنار کے پتوں کا کیا رنگ ہوتا ہے۔وہ اس تشبیہہ کو اچھی طرح سمجھ نہ سکتے۔اور ان کے خیال میں زیادہ سے زیادہ یہ بات آسکتی کہ جس طرح دوسرے بعض درختوں کے پتوں میں کچھ سُرخی پائی جاتی ہے۔اسی طرح چنار کے پتوں میں بھی سُرخی ہوگی۔مگر حقیقت یہ ہے کہ چنار کے پتہ پر ایسی سُرخی

[1]:۔ براہین احمدیہ حصّہ پنجم۔

ہوتی ہے جیسی کہ گاڑھے جمے ہُوئے خون کی رنگت۔ اور ہو بہو خون ہی معلوم ہوتا ہے۔ اب دیکھئے فرانس میں جہاں لڑائی کا سب سے زیادہ شور رہا ہے اور اب بھی ہے۔ وہاں میدانِ جنگ میں چنار کے درخت دُور دُور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ چنانچہ تھوڑا ہی عرصہ ہوُا۔ ہمارے ایک دوست نے لکھا تھا کہ مَیں جنگی خدمت ادا کرنے کے لئے میدانِ جنگ میں کھڑا ہوں۔ گولے برس رہے ہیں۔ اور مَیں چنار کے درخت کے نیچے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ شعر پڑھتا ہُوا کہ ؂

رات جو رکھتے تھے پوشاکیں برنگ یاسمن
صبح کر دے گی انہیں مثلِ درختانِ چنار

زخمیوں کے زخموں کو دھو کر مرہم پٹی کر رہا ہوں۔ اس دوست نے چنار کا ایک پتہ بھی بھیجا تھا۔ جس کے ایک طرف کا رنگ ہو بہو خون کی طرح تھا اور دوسری طرف کا کچھ زردی مائل۔

پس یہ کوئی شاعرانہ بات نہ رہی۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے فعل نے بتا دیا کہ واقعہ میں اس مقام پر چنار کے پتے تھے۔ اور انہیں کے رنگ کی پوشاکیں ہو رہی تھیں۔ اگر جنگ کسی ایسے ملک میں ہوتی جہاں چنار کے پتے خون سے سُرخ ہونے والے کپڑوں کی طرف اشارہ نہ کرتے تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ یہ شاعرانہ طور پر کہا گیا ہے۔ مگر ان درختوں کا وہاں موجود ہونا۔ اور پھر ان کے پیچھے انسانوں کا خون سے لت پت ہونا بتاتا ہے کہ یہ شاعرانہ بات نہ تھی۔ بلکہ اصل حقیقت بیان کی گئی تھی۔

غرض اس پیشگوئی کی جو تفصیل حضرت مسیح موعودؑ نے بیان فرمائی ہے۔ وہ ایسی کھلی کھلی اور صاف طور پر پوری ہوئی ہے کہ بے اختیار مُنہ سے الحمد للہ ربّ العٰلمین نکل جاتا ہے۔

لیکن پیشگوئی کی تفصیل میں ایک بات ایسی بھی تھی جو ابھی تک باقی تھی۔ اور جس کے متعلق بار بار گفتگو ہوئی کہ کس طرح پوری ہوگی۔ کئی لوگوں نے کہا کہ ان اشعار میں جو پیشگوئی کی گئی ہے وہ واقعہ میں موجودہ جنگ کے متعلق ہے۔ لیکن اس کو عام طور پر کس طرح شائع کریں۔ جبکہ اس میں لکھا ہے کہ

زارؔ بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار

کیونکہ زارؔ ہماری گورنمنٹ کا حلیف ہے۔ اور سیاست چاہتی ہے کہ ہم اپنی گورنمنٹ کے حلیف کے متعلق کوئی ایسی بات نہ شائع کریں جس سے اس پر زد پڑتی ہو۔ پھر کیا کیا جائے۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے ممکن تھا کہ یہ پیشگوئی دبی ہی رہتی۔ مگر خدا تعالیٰ چاہتا تھا کہ اس کا اعلان کرائے۔ اور دنیا کو پُورا کر کے دکھا دے۔ کیونکہ اگر خدا تعالیٰ اس کا اعلان نہ کرانا چاہتا تو پھر حضرت مسیح موعودؑ بھی اس کو شائع نہ کرتے۔ مجھے حضرت مسیح موعودؑ کے ایسے الہامات معلوم ہیں جن کے متعلق آپ کو بتایا گیا کہ ان کو

ظاہر نہ کیا جائے۔ایسے الہامات اس وقت کی مصلحت کے خلاف ہوتے ہیں۔اور صرف نبی کو کسی خاص غرض کے لئے بتائے جاتے ہیں۔مگر اس پیشگوئی کے متعلق حیرت ہوتی تھی کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس کو شائع کیا ہے۔اور بڑے زور کے ساتھ شائع کیا ہے۔مگر اب جبکہ اس کے باقی حصّے پورے ہو رہے ہیں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ ہم اس کی اشاعت نہیں کر سکتے۔کیونکہ زارِ روس گورنمنٹ برطانیہ کا حلیف ہے۔اور گو ہم کسی واقعہ پر اس لئے خوشی نہ کرتے کہ زار روس کو نقصان پہنچا ہے بلکہ اس لئے خوشی کرتے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی پوری ہوئی ہے۔جیسا کہ جب مبارک احمد فوت ہوا تو حضرت مسیح موعودؑ نے خوشی کا اظہار کیا۔مگر یہ خوشی لڑکے کے مرنے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس لئے تھی کہ اس طرح ایک پیشگوئی پوری ہوئی ہے۔اسی طرح ہم اگر سلطنتِ روس کے متعلق خوشی کرتے اور گو افسوس بھی ہوتا۔تاہم ہماری وہ خوشی پیشگوئی کے پورا ہونے پر ہوتی۔اور ہماری نیّت نیک ہوتی۔مگر اس کا لوگوں پر اظہار ظاہر میں یہی نتیجہ نکالنے پر مجبور کرتا تھا کہ گویا ہم سلطنت روس کے مصائب اور مشکلات پر خوش ہو رہے ہیں۔اور ایسا کرنا اپنی گورنمنٹ کے خلاف کرنا تھا۔اس سے ہم حیران تھے کہ اگر یہی حالت رہی تو ہوگا کیا۔ہمارے خیال میں یہی تھا کہ سلطنت روس کو اس شعر کے مطابق کوئی نقصان پہنچے گا۔اور اس کو ہم اچھی طرح ظاہر نہ کر سکیں گے۔لیکن اللہ تعالیٰ کی منشاء کچھ اور تھی۔جو ہمارے خیال میں نہیں آتی تھی۔اور اب بالکل صاف اور واضح طور پر ظاہر ہو گئی ہے۔سو وہ یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ ع

روس بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار

بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ع

زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار

اس سے پتہ لگتا ہے کہ روس کی ساری سلطنت کو چھوڑ کر جو صرف زار کا نام لیا گیا ہے اور اس کی حالت زار بتائی گئی ہے تو اس پیشگوئی کا تعلق زار کی ذات خاص سے تھا۔گویا اس پیشگوئی میں جس کا نقشہ ان اشعار میں کھینچا گیا ہے۔ایک اور پیشگوئی زار کے متعلق تھی جس کے متعلق بتا دیا کہ وہ بھی اس وقت پوری ہوگی جبکہ یہ جنگ شروع ہوگی جس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔اور خبریں آ گئی ہیں کہ جب لوگوں نے دیکھا کہ زار اور اس کے وزراء جنگ میں پوری کوشش اور سعی نہیں کرتے تو انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان کو ہٹا دیا جائے۔چنانچہ اب زار کو معزول کر دیا گیا ہے اور پارلیمینٹ قائم ہو گئی ہے۔اور ہماری گورنمنٹ نے بھی نئی جمہوریت کو تسلیم کر لیا ہے۔گویا وہ مصیبت جس کا ذکر پیشگوئی میں ہے وہ زار پر ہی پڑی۔اب ہم اس کو جس قدر بھی شائع کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ اب تو ہماری گورنمنٹ نے خود اس خبر کو شائع کیا ہے۔اور

بتایا ہے کہ موجودہ روسی گورنمنٹ جنگ میں پہلے کی نسبت بہت زیادہ جوش سے کام لے گی۔ اس طرح ہمارے لئے دوہری خوشی ہے۔ ایک تو یہ کہ روسی سلطنت ہماری گورنمنٹ کی مدد اور تائید پہلے کی نسبت بہت زیادہ کرے گی اور دوسرے یہ ہے کہ یہ پیشگوئی ایسے صاف اور واضح طور پر پوری ہوئی ہے کہ کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

ابھی کچھ دن ہوئے۔ میں گورداسپور گیا تو اسی پیشگوئی پر گفتگو کرتے ہوئے ایک وکیل صاحب نے کہا کہ کیا ہؤا اگر زار کو معزول کر دیا گیا ہے۔ اس وقت تک بیسیوں زار معزول ہو چکے ہیں۔ اب کوئی اور زار بن جائے گا۔ جس طرح ایران میں باپ کو ہٹا کر بیٹے کو اور ترکوں نے ایک بھائی کو ہٹا کر دوسرے کو بادشاہ بنالیا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔ اس لئے یہ پیشگوئی تو پوری نہ ہوئی کیونکہ دوسرا زار بن گیا۔ اور اس کا حال زار نہ ہؤا۔

اگرچہ یہ غلط ہے کہ اسوقت تک بیسیوں زار معزول کئے گئے۔ لیکن ہم مان لیتے ہیں کہ ایسا ہی ہؤا۔ مگر اس سے تو موجودہ زار کے معزول ہونے کی پیشگوئی کی اور زیادہ شان ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ آج تک کی جو خبریں آئی ہیں۔ ان سے پتہ لگتا ہے کہ اب آئندہ کوئی زار نہ بنایا جائے گا۔ بلکہ پارلیمینٹ ہوگی۔ گویا زار کا ایسا حال زار ہؤا کہ آئندہ کوئی زار ہی نہ ہوگا۔

پس خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ عظیم الشان پیشگوئی پوری کر کے دکھائی ہے۔ اس پر ہم جس قدر اس کی حمد کریں تھوڑی ہے اور جس قدر اس کا شکر بجالائیں کم ہے۔

اس پیشگوئی کے پُورا ہونے سے ہماری ترقی کا راستہ روس میں بھی کھل گیا ہے اور اب میرا ارادہ ہے کہ روسی زبان میں اشتہار شائع کراؤں تا کہ روس کے لوگوں کو بتایا جائے کہ یہ جو کچھ تم نے کیا ہے۔ خُدا کی منشاء کے ماتحت کیا ہے۔ اور اس کی خبر خُدا نے اپنے ایک برگزیدہ انسان کے ذریعہ پہلے سے ہی دے رکھی تھی۔

یہ خُدا تعالیٰ کا ہم پر بہت بڑا فضل ہؤا ہے ہم کہاں اس کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں مگر اس نے بتایا ہے کہ الحمد للہ ربّ العٰلمین کہو۔ پس ہم یہی کہتے ہیں۔ ہمارے پاس دنیا کا مقابلہ کرنے کے لئے کیا ہے نہ مال ہے نہ دولت ہے نہ اسباب ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ ہماری مدد اور تائید کے لئے اسباب پیدا کر رہا ہے۔ اور ایسے زبردست اسباب پیدا کر رہا ہے کہ جن کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہر وقت ہمیں اس کی حمد کرنی چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو اس حمد کے پوری طرح ادا کرنے کی توفیق دے جو اس کے انعامات کے مقابلہ میں اس پر واجب ہے۔

(الفضل ۲۷ / مارچ ۱۹۱۷ء)